ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.1(2024)
(January to March)

افسانوی ادب میں اساطیری عناصر کی روایت اور اس کی مقبولیت

Tradition and Popularity of Mythological Elements in Fictional Literature

عاصمہ نواز

پی ایچ۔ڈی اسکالرز، شعبۂ اُردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

ڈاکٹر غنچہ بیگم

ایسوسی ایٹ پروفیسر / صدرِ شعبۂ اُردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

پروفیسر ڈاکٹر محمد امتیاز

شعبۂ اُردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

Asma Nawaz
Doctoral Candidate, Department of Urdu, Sarhad University of Science and Information Technology Peshawar.
Dr. Ghuncha Begum
Associate Professor/Head of Urdu Department, Sarhad University of Science and Information Technology Peshawar.
Prof. Dr. Muhammad Imtiaz
Department of Urdu, Sarhad University of Science and Information Technology Peshawar.

Abstract:

The relationship between literature and mythology is very old. As if trying to explain in simple words, it can be said that mythology has always given a new subject to literature. Therefore, it is not possible to separate mythology and literature. Mythology is a story that deals with supernatural, spiritual action in the universe, customs and rituals. Mythology does not mean the use of supernatural elements at all, but it is related to the beliefs of man, whose characters are historical, religious and semi-historical and religious, as well as being wrapped in the supernatural due to their extraordinary nature.Mythology has left its influence on all genres of literature. In which the narrative, novel, legend and drama in the fictional literature. Included. Thus, the use of mythological symbols on fictional literature deepens its meaning.

Keywords: literature, mythology, supernatural, elements, semi-historical, supernatural, fictional literature

اساطیر جس کو بحیثیت ایک اصطلاح کے متھ (Myth) بھی کہا جاتا ہے۔ جو اصل میں یونانی لفظ (Muthos) سے ہی اخذ ہوا ہے۔ اسی متھ کے لیے عربی میں اسطورہ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ اُردو میں اس کے لیے دیومالا یا "علم الصنام" کی اصطلاحات

بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ بہر حال اساطیر کا شمار اُن چند اصطلاحات میں کیا جاتا ہے۔ جو اپنی معنی اور تصور کے لحاظ سے واضح کم اور مبہم زیادہ ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اساطیر کی کثیر المعنویت ہی ہے۔ مختلف ماہرین اساطیر نے اس کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ بقول منصور احمد منصور:

> "اساطیر بھی بیانیہ کی ایک قسم ہے۔ یہ اگلے وقتوں اور قوموں کی وہ کہانیاں ہیں جو جادو، اسرار، تحیر اور مافوق الفطرت عناصر کے امتزاج و آمیزش سے مملو اور اپنے زمانے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے اسباب و عوامل کی توجیح کرتی ہیں۔"(۱)

اساطیر نے خاص طور پر بیسویں صدی عیسوی میں باقاعدہ ایک علم اور ایک فلسفے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ جس کی وجہ سے نفسیاتی، تہذیبی، مذہبی اور عمرانیاتی سطح پر اساطیر کی دھوم مچ گئی۔ ان سب کے باوجود بھی اساطیر کی لغوی معنی اپنی جگہ وہی رہی ہے جو اٹھارویں صدی سے چلی آرہی ہے یعنی قصہ، داستان، کہانیاں، خرافات وغیرہ۔ اساطیر دراصل ایک ایسی کہانی ہوتی ہے۔ جس میں عوام کے خداؤں، ثقافتی ہیرو یا مذہبی عقائد کو فوق الفطری اور تاریخی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ ایک مقبول عام کہانی (چرند پرند کی کہانیاں) یا عوامی قصے کہانیاں یا مذہبی لوک کہانیاں وغیرہ۔ دی نیو ویبسٹرس انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا میں اساطیر کی مفہوم کی وضاحت کہ یوں ہوئی ہے۔

> "Stories as explainations of the origin and meaning of the world and the universe and their relation to a Particular culture orcivilization-"(2)

اساطیر در اصل بہت سی چیزوں کے مجموعے کی اصطلاح ہے۔ جو تاریخ کے ساتھ مذہب میں بھی اپنا الگ علامتی پہلو رکھتا ہے۔ جو کسی بھی مذہب کے مسلک، مذہبی رسومات سے وابستہ علامتی کردار اور علامتی مقامات اور اشیاء سے بھی اپنی ایک الگ اور ایک اہم حیثیت رکھتی ہے۔ منصور احمد منصور اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "اساطیر کا مطلب ہر گز بت پرستی فوق الفطرت عناصر کی کارفرمائی نہیں بلکہ یہ حیات و کائنات کی گھتی سلجھانے کی ایک ذہنی روش اور رویہ ہے۔ اساطیر کے اندر انسان کے آبا و اجداد کے احساسات و جذبات اور خیالات ہی مجسم صورت میں دکھائی نہیں دیتے بلکہ ان کے توسط سے زندگی کے کتنے ہی اسرار و رموز آئینہ ہو جاتے ہیں۔ انسانی تہذیب و ثقافت پر سے کتنی ہی پرتیں اُٹھ جاتی ہیں اور کئی طرح کے دلچسپ نتائج اخذ کرنے میں مدد ملتی ہے۔"(۳)

اساطیر ایسے دیوتاؤں یا فوق الانسانی ہستیوں پر مشتمل ہوتے ہیں جو غیر معمولی واقعات و حالات سے گزرے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض ماہرین اساطیر کو سورماؤں (Legands) کی کہانیوں اور لوک کہانیوں (Folk-tales) سے بڑھ کر ایک الگ درجہ دینے کے حق میں ہیں۔ حالانکہ کوئی بھی اساطیری کہانی چاہے لوک (Folk-Tales) ہو یا "لیجنڈ" یا کوئی اور اساطیری کہانی ہو سب میں کافی مطابقت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ سب ہی فوق الفطری اور الوہی عناصر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ فوق الفطری اور الوہی عناصر پر مشتمل اساطیری کرداروں کی تخلیق کے پیچھے بھی مختلف قوتوں کا تصور ہوتا ہے، جس میں دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ انسانوں کا تصور بھی عام ملتا ہے۔ دوسری طرف یہی ماہرین اساطیر کو رسم و رواج کی زبان بھی کہتے ہیں۔ انہی ماہرین کے مطابق کسی بھی مذہب کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اساطیر اور رسم و رواج دونوں اہم ہوتے ہیں اور یہ تمام رسم و رواج اور عقائد اپنے دوسرے معنوں میں "Mythology یعنی

علم الصنام" پر ہی انحصار کرتے ہیں۔ یہ "علم الصنام" نہ صرف رسم و رواج کا اعادہ ہوتے ہیں بلکہ سماج کے ساتھ تہذیب اور فنون لطیفہ جیسے کہ موسیقی، رقص، فن تعمیر اور سنگ تراشی وغیرہ کو بھی علامتی طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ رؤف نیازی کے مطابق:

> "اساطیر ہر مکان اور ہر زمان میں نسل در نسل اور سینہ بہ سینہ فروغ پاتی رہیں۔ یہاں تک کہ یہ اپنے زمانی اور مکانی تناظر کی مخصوص معنویت سے کٹ کر محض ایک تاریخ اور ایک تہذیب کی علامتی نمائندہ بن کر رہ گئیں۔"(۴)

مندرجہ بالا اساطیر کی تشریحات سے ہم اساطیر کی مجموعی تعریف کچھ یوں کر سکتے ہیں کہ اساطیر ایک ایسی کہانی ہے جو انسانوں کی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کرتا آرہا ہے یہ انسانوں کو ماضی کے تاریخ سے آشنا کرتا ہے۔ یہ وہ فرضی قصے کہانیاں ہیں جس کی بنیاد مافوق الفطرت خیالات یا توہمات پر رکھی گئی ہو۔ جہاں تک اساطیر کے آغاز و ابتداء کا تعلق ہے تو یہ بات پوری وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اساطیر نے انسان کے ساتھ ہی جنم لیا ہے اور یہ اساطیر اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ خود انسان۔ اس حوالے سے شکیل الرحمٰن لکھتے ہیں:

> "اساطیر کی بنیاد صدیوں کے تجربوں پر ہے۔ اساطیر کا مطالعہ "پرستی" زندگی کی عبادت اور موت کا پُر اسرار خوف کے جذبات کا بھی مطالعہ ہے۔ غیر شعوری عمل، متصوفانہ عقائد، داخلی کیفیت، نفسیاتی کشمکش، تصادم فریب نظر اور انسانی خواہشات کی تکمیل سے محرومی اور شکست کی آواز کا مطالعہ ہے، تمثیل نگاری اور تاریخ کی بنیاد اساطیری قصے ہیں۔"(۵)

اساطیری عناصر کا تعلق ایام گزشتہ سے ہی ہے۔ یہ اساطیری عناصر قدیم انسانوں کے سوچ و افکار و جذبات کے گواہ ہی ہوتے ہیں اور یہی اساطیری عناصر قدیم انسان کو اپنی طاقت کے بل بوتے پر جدید دور کے انسانوں کے سامنے پوری شان سے کھڑا بھی رکھتے ہیں۔ ادب میں اساطیر کی مقبولیت کو دیکھا جائے تو تحریری صورت میں اساطیری عناصر سب سے پہلے ہومر کی منظوم رزمیہ "ایلیڈ" کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ جس میں یونانی اساطیر کے اولین نقوش ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ہومر کی "ایلیڈ" میں "ٹرائے جنگ" کا بیان ہے۔ اس طرح ہومر کی دوسری نظم "اوڈیسی" بھی اساطیری ادب کا بہترین مآخذ کہلاتا ہے۔ ہومر کے بعد "ہسیاڈ" نے اساطیری عناصر پر قلم اُٹھایا۔ ہسیاڈ نے ہومر کی تقلید کرتے ہوئے ہومر کی طرح دو تصنیف "مشاغل اور آیام" اور "تھیوگونی" لکھی۔ "تھیوگونی" میں ہسیاڈ نے بھرپور انداز میں اساطیر کا استعمال کیا۔ ہسیاڈ کے بعد بھجنوں کا دور آیا۔ جس میں دیوی دیوتاؤں کی شان بڑھا چڑھا کر پیش کی جاتی۔ اساطیری ادب میں ایک معروف نام پنڈارا کا بھی ہے جو ہسیاڈ کا ہم پلہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ پنڈارا نے قدیم یونانی تہذیب کے کھیل تماشے اور ملکی سورماؤں کی تعریفیں بیان کی۔ جو کہ اساطیری عناصر کا بہت بڑا مآخذ ہے۔ دوسری صدی ق م میں جن ادیبوں نے اساطیر کے ساتھ اپنا ناتا جوڑا اُن میں اپولیس (Apoleius) اور لوسین (Lucian) جیسے ادیب قابل ذکر ہیں۔

اپولیس (Apoleius) ہی وہ کہانی کار ہے جس نے معروف زمانہ کہانی "کیوپڈ سائیکی" کو خلق کیا۔ اس کے بعد ورجل اور اورڈپس جیسے معروف رومی و لاطینی کہانی کار بھی سامنے آئے۔ ورجل نے ہومر کی تقلید میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی معروف نظم "اینیڈا" تصنیف کی۔ ورجل نے اپنی اس تخلیق کو اساطیری عناصر سے خوب سجایا اور اپنے دور میں اس رزمیہ نظم نے خوب دھوم مچائی۔ اس طرح پھر اساطیر دنیا کے مختلف زبانوں کے ادیب کا ایک دلفریب اور دلکش حصہ بن گیا۔ انگریزی ادب تک جب یہ عناصر پہنچ گئے تو یہ ادب بھی خود کو ان عناصر کے سائے سے نہ بچا سکی اور یہاں بھی اساطیری عناصر کا بھرپور استعمال کیا

گیا۔ جس میں ملٹن بائرن، شیلے اور ٹیس وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ جہاں تک بات ہندوستان کی ہے۔ ہندوستان میں اساطیر کا آغاز رگ وید سے ہوتا ہے۔ رگ وید، رامائن، مہابھارت سے ہوتے ہوئے یہ اساطیری عناصر اسلامی ادب میں بھی ظہور ہوئے۔ کیونکہ یہ اساطیری عناصر نہ صرف دیومالائی ادب کہلاتا ہے بلکہ یہ ہر تہذیب کو اپنے اندر محفوظ بھی رکھتا ہے جس کی بڑی وجہ عہد قدیم میں لکھی یہ اساطیری کہانیاں ہی ہے جو ہر دور اور عہد میں ایک ایک جیسی ہی ملتی رہی ہیں۔ اس طرح جب اُردو ادب کی بات آتی ہیں تو اُردو ادب کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اساطیر نے پہرہ نہ جمایا ہو۔ اگر ہم اپنا موضوع نثر تک محدود رکھے تو اُردو نثر کی پہلی صنف داستان ہی ہے۔ اور ساتھ اگر یہ بھی کہا جائے کہ داستان کا دوسرا نام ہی اساطیر ہے تو غلط نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ داستان ہی ہے جس نے اساطیری ادب کے بعد جنم لیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اساطیری عناصر داستان کے اندر پوری طرح پیوست ہے۔ اُردو داستانوں کی طرف نظم ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُردو داستانوں نے سنسکرت اور فارسی زبان کے داستانوں سے ہی اثر قبول کیا ہے۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

> "سنسکرت داستانوں کے تراجم فارسی میں انوار سہیلی اور طوطی نامہ کے نام سے ہوئے۔ جنھیں بعد ازاں کلیلہ ودمنہ اور توتا کہانی کے نام سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا۔ قصہ چہار درویش فارسی میں تھا جسے اُردو میں باغ و بہار کے نام سے ڈھالا گیا۔"(۶)

اس طرح ان داستانوں نے خود کو عربی و ہندی اساطیر سے اپنی بنیادوں تک کو جوڑ لیا تھا۔ ہندوستان کی ان داستانوں پر عرب کے ساتھ ایرانی تہذیب کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے حضرت سلمان، خضر، امیر حمزہ، عمرو عیار، حاتم طائی، رام چند، کرشن کہنیا، گنیش، سیتا اور پاروتی جیسے کردار داستان کا حصہ بنے رہے اور ان سب کا بنیادی مآخذ یہی اساطیری عناصر بنتے گئے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ داستانوں میں ہمیشہ سے عقائد، توہمات اور تہذیبی تفاخر کی کارفرمائی موجود رہی ہیں۔ بس یہی چیز اُردو داستان و اساطیر کا بھی بنیادی محرک قرار پایا ہے۔ اُردو کی پہلی داستان "سب رس" کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ "سب رس" در اصل ایک تمثیلی داستان ہے۔ جس میں تمثیل کے ذریعے مذہب کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس داستان میں جتنے کردار ہے وہ انسانی نہیں ہے بلکہ انسانی کیفیات جو غیر مجسم ہوتی ہیں اُس کو ہی کردار کا رُوپ دے کر پورے داستان کو اساطیری انداز میں پیش کیا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "یہ تصوف کی ایک بہترین کتاب ہے۔ جس کو فرضی قصہ کے طور پر لکھا ہے مگر جابجا مختلف عنوانات مثلاً ذکر لا الہ، معراج، عشق، مذمت طبع، اطاعت مادر، قدر صبر و شکر پر کافی بحث کی گئی ہے۔ انسانی جذبات کی حقیقیت اور کشمکش کو جس خوبی سے فسانہ کی صورت میں پیش کیا ہے وہ قابل تعریف ہے۔"(۷)

سب رس کے علاوہ باغ و بہار، فسانہ عجائب، مذہب عشق، قصہ مہر افروز دلبر، قصہ امیر حمزہ، بیتال پچیسی اور الف لیلیٰ، عجائب القصص وغیرہ تمام داستانوں میں اساطیر عناصر پورے آب و تاب سے نظر آتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر گیان چند جین:

> "بیتال پچیسی کی کہانیوں میں فوق فطری عناصر کم ہے۔ دیومالا کے زیرِ اثر کچھ خلاف عادت باتیں ہوئی ہیں مثلاً بکرم ایک چور ہے تعاقب میں ایک کنویں میں پہنچ جاتا ہے۔ کئی جگہ مندر کی دیوی کا مجسم کسی بات

سے خوش ہو کر بول پڑتا ہے میرے ہوؤں کو امرت چھلک کر جیلا دیا جاتا ہے۔"(۸)

اساطیر کی مقبولیت کی سب سے بڑی دلیل اساطیری ادب کی اشاعت بھی ہے۔ اساطیری ادب کی اشاعت کی طرف توجہ دی جائیں۔ تو معلوم ہو گا کہ ان داستانوں کی کئی زبانوں میں تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ اُردو داستان کے بعد اُردو ادب میں موجود دوسری صنف "ناول" پر بھی اساطیر نے اپنے بھرپور اثرات چھوڑے ہیں۔ چنانچہ اُردو ادب کے پہلے ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں اساطیری کارفرمائی دیکھی جاسکتی ہے۔ مولوی نذیر احمد کے اصلاحی ناولوں کے بعد "شرر" کے تاریخی ناولوں میں بھی اساطیر عناصر واضح طور پر نظر آتے ہیں کیونکہ عبدالحلیم شرر نے جو بھی ناول لکھے وہ اسلامی تاریخ سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے ناولوں میں اسلامی تاریخ کے نامور کردار پائے جاتے ہیں۔ جس کا سرا اسلامی اساطیر سے ہی جوڑا ہوا ہے۔

اُردو ناول میں باقاعدہ اور واضح اساطیری عناصر پریم چند کے ہاں ہی نظر آتے ہیں۔ ان کے تین ناولوں پر اساطیری رنگ بہت غالب نظر آتا ہے۔ جس میں "بیوہ، پردہ مجاز اور گئودان" قابل ذکر ہیں۔ اس طرح بانو قدسیہ کے ناول راجہ گدھ میں انسان کے رزق حلال و حرام کو حضرت آدم یعنی اسلامی اسطور سے جوڑا گیا ہے۔ قرۃ العین حیدر کے ناول "آگ کا دریا اور آخر شب کے ہم سفر" میں بھی تمام فنی لوازم کے ساتھ اساطیری عناصر پائے جاتے ہیں۔ اس طرح دوسرے معروف ناول نگار راجندر سنگھ بیدی کے ناول ایک "ایک چادر میلی سی" اور انتظار حسین کے ناولوں "آگے سمندر ہے اور بستی" میں بھی اساطیری عناصر بروئے کار لائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ عبداللہ حسین کا ناول "اداس نسلیں" شوکت صدیقی کا ناول "خدا کی بستی" خدیجہ مستور کا ناول "آنگن"، حیات اللہ انصاری کا ناول "لہو کے پھول"، جیلانی بانو کا ناول "ایوان غزل" بھی اساطیری حوالے سے کافی اہمیت کے حامل ناول کہلاتے ہیں۔ ان سارے ناولوں میں کسی نہ کسی صورت اساطیری عناصر کا استعمال کیا گیا ہے۔

اس طرح اگر ہم افسانوں کا بھی مطالعہ کرے تو ابتداء سے ہی افسانہ نگاروں نے اساطیری عناصر کو اپنے افسانوں میں بروئے کار لا کر اپنے افسانوں کو معنی خیز بنایا ہے۔ راشد الخیری کے افسانے "کلونیتا"، "سات روحوں کے اعمال نامے سے شیطان کی مغفرت"، سجاد حیدر یلدرم کے افسانے "خیالستان" اور "حضرت دل کی سوانح عمری"، پریم چند کا پہلا افسانہ دنیا کا انمول رتن، سلطان حیدر جوش کے افسانے "نرگس خود پرست" اور "پہلا گناہ"، نیاز فتح پوری کا "کیوپڈ سانکی" جیسے افسانوں میں دنیا کے مختلف اقوام و تہذیبوں کی اساطیری جھلک واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس کے بعد کے افسانہ نگاروں میں راجندر سنگھ بیدی جس کو واضح اساطیری افسانے لکھنے کا اعزاز حاصل ہے۔ اپنے افسانوں میں اساطیری فضاء کو قائم کرنے کے لیے علامتی تکنیک استعمال کرتا رہا ہے۔ ان کے افسانے "رحمن کے جوتے"، "گرہن"، "اپنے دُکھ مجھے دے دو"، "منتھن" اور "لاجونتی" اساطیری فضا میں لکھے گئے افسانے ہیں۔ ممتاز شیرین نے "میگھ ملہار، دیپک راگ، کفارہ اور آلٹس" جیسے افسانوں میں معاصر زندگی کی سچائیوں کو ہندوستانی و یونانی اساطیر کے قالب میں ڈھال کر بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے۔ بقول ممتاز شرین:

> "میگھ ملہار کی مرکزی تھیم موسیقی کا سحر اور فنکار کی حیات جاودانی ہے۔ بنیاد وہی دنیا کی مائیتھولوجی پر رکھی گئی ہے۔ جہاں کہیں مائیتھولوجی سے گریز کیا گیا ہے وہاں انجیلی، عیسائی، رمزیت، ہومر ورجل اور ملٹن کے ہلکے سے ٹچز دیے ہیں۔"(۹)

ممتاز شرین کے علاوہ قرۃ العین نے بھی اپنے افسانوں جس میں "یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے"، سینٹ فلور آف جارجیا، کو اساطیری عناصر سے سجایا ہے۔ جب ترقی پسند افسانہ لکھنے کا رواج ہوا تو ترقی پسند افسانہ لکھنے والے بھی اپنے افسانوں کو اساطیر

کے اثرات سے محفوظ نہ کر سکے۔ جن میں ایک اہم نام کرشن چندر کا ہے۔ جس کے افسانوں "گرجن کی ایک شام"، "پرانے خدا" اور "بائیں بازو کی چوری" وغیرہ میں اساطیری عناصر کا بھرپور استعمال ملتا ہے۔

اُردو افسانہ میں اساطیر سازی کی طرف پیش قدمی ۶۰ کی دہائی کے آخر میں ہوئی جب علامتی افسانے کی طرف توجہ دی گئی اور انہی علامتی افسانوں سے اساطیر کی جڑیں بھی نکل آئی۔ اس طرح اُردو افسانے میں اساطیر و دیومالا کا بھرپور اور بامعنی استعمال جدیدیت کے زیرِ اثر ہی ہوا۔ جدید افسانہ نگاروں نے روایت سے تخلیقی بغاوت کرتے ہوئے اپنے افسانوں میں کثرت سے اساطیر کا استعمال کیا۔ جس کے باعث اُردو افسانہ ایک نئی معنوی جہت سے آشنا ہوا۔ کرشن چندر کے بعد جن افسانہ نگاروں نے اساطیر کا ناتا جوڑ لیا تھا اُن میں انتظار حسین منٹو، جوگندر پال، دیویندر ستیار تھی، بلونت سنگھ، خواجہ احمد عباس، اقبال مجید اور منشایاد کے علاوہ ان کے بعد کی نسل میں سریندر پرکاش، قمر احسن، شوکت حیات، انور خان، طارق چھتاری، رشید امجد، ابن کنول اور ترنم ریاض کے علاوہ بھی کئی نام لیے جاسکتے ہیں کہ اگر ان کے افسانوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے متون میں اساطیر عناصر واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ اُردو افسانے کے بعد اُردو ڈراما بھی اساطیری عناصر و علامات سے بھرا ہوا ہے۔ کیوں کہ ڈراموں کا زیادہ تر تعلق قدیم تہذیبوں اور ثقافتوں سے ہی ہوتا ہے۔ اس لیے ابتدائی ڈراموں میں دیوی دیوتاؤں اور مذہبی عقائد رسم و رواج کا کافی دخل رہا ہے۔ اُردو کے بنیادی سلسلوں میں داس لیلا، رام لیلا اور یاترا کا نام ہے۔ لیکن اُردو ادب کا پہلا ڈراما واجد علی شاہ کا "رادھا کنہیا" ہے۔ اس ڈرامے کا بنیادی موضوع ہندو اساطیر کے دیوتا "اندر" ہے۔ یہ ڈراما اپنے دور میں اتنا مشہور ہوا کہ اس کی تقلید میں بہت سے ڈراما نگاروں نے ڈرامے لکھے۔ جس میں وہی ہندو اساطیر سے جڑی کہانیوں کو بیان کیا گیا۔ رادھا کنہیا کے بعد لکھنے والے اہم ڈرامہ نگاروں میں نسرواں جیارام، محمود میاں، رونق بنارسی، مرزا نظیر بیگ، آغا حشر کاشمیری، محمد مجیب، امتیاز علی تاج اور عابد حسین وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان تمام ڈرامہ نگاروں کے ڈراموں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس میں حقیقی زندگی کے ساتھ ساتھ اساطیری عناصر کو بھی بڑے سحر انگیز طریقے سے اپنے مخصوص فن کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا گیا ہے۔

بحیثیت مجموعی:

یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی ہے کہ اُردو ادب میں اساطیری ادب کا کافی سرمایہ مختلف صورتوں مثلاً علامتوں، تراجم اور اشاروں کنایوں کے ذریعے ایک بہترین تخلیقات کی صورت میں موجود ہے۔

خصوصی طور پر بیسویں صدی میں ادیبوں نے اساطیری عناصر سے استفادہ حاصل کر کے اساطیری کرداروں، واقعات اور مقامات کے استعمال سے اُردو ادب کو وقعت بلندی عطا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان ادیبوں نے اپنے فن پاروں میں صرف اسلامی و ہندو اساطیر پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ عالمی اساطیر کا بھی بھرپور استعمال کیا۔ اُردو ادب نے اسلامی و ہندی اساطیر کے ساتھ ساتھ یونانی، رومی اور فارسی اساطیر سے بھی اپنے دامن کو بھر لیا ہے۔ کیونکہ جہاں اُردو میں خضر، حضرت سلمان، حضرت موسیٰ، ارجن، کرشن کے حوالے ملتے ہیں۔ وہی رستم اور اسفندیار لیلیٰ مجنون کے قصص بھی بکھرے ہوئے مل جاتے ہیں۔ اساطیری عناصر کی ادب میں مقبولیت اس قدر ہے کہ اس کا استعمال آج کے جدید دور میں بھی ہو رہا ہے۔ بے شک اساطیری عناصر و اساطیری ادب کافی قدیم اور فرضی ہے۔ لیکن اس کی ادبی حیثیت اور اس کی اصلاحی حیثیت سے کوئی انکار بھی نہیں کر سکتا۔ یہ اساطیری ادب انسان کی رہنمائی کا فریضہ ادا کرتا ہے۔ اسی لیے اس کی مقبولیت میں روز بہ روز اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے۔ اور ان ہی ادیبوں کی کاوش و خونِ جگر کے نتیجے میں اُردو ادب دنیا کے بہترین ادب کے مقابلے میں رکھا جانے کے قابل ہوا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ منصور احمد منصور، اُردو افسانے کے اساطیری آب و رنگ، مشمولہ، بازیافت، تحقیقی و تنقیدی مجلہ، سرینگر کشمیر، ۲۰۱۳ء، ص:۲۰۸

2. The new webster International Encyclopedia, 1991, US

۳۔ منصور احمد منصور، اُردو افسانے کے اساطیری آب و رنگ، مشمولہ، بازیافت، تحقیقی و تنقیدی مجلہ، سرینگر کشمیر، 2013ء، ص:۲۰۸

۴۔ رؤف نیازی، فکشن میں اساطیر کی عکاسی، مشمولہ، ماہنامہ صریر، کراچی، شمارہ ۱۔۲، جون / جولائی ۲۰۰۴ء، ص:۱۰۸

۵۔ شکیل الرحمٰن، ادبی قدریں اور نفسیات، معصوم پبلی کیشنز، ۱۹۶۵ء، ص:۲۷

۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو (جلد سوم)، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۶ء، ص:۴۶۷

۷۔ نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اُردو، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص:۱۶۵

۸۔ گیان چند جین، اُردو کی نثری داستانیں، قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۲ء، ص:۴۴

۹۔ ممتاز شرین، میگھ ملہار، لارک پبلشرز، کراچی، ۱۹۶۲ء، ص:۱۴۹

Reference in Roman Script:

1. Mansoor Ahmad Mansoor, Mythical atmosphere and color of Urdu fiction, content, retrieval, research and critical magazine, Srinagar Kashmir, 2013, p: 208
2. The new webster International Encyclopedia, 1991, US
3. Mansoor Ahmad Mansoor, Mythical atmosphere and color of Urdu fiction, content, retrieval, research and critical magazine, Srinagar Kashmir, 2013, p:208
4. Rauf Niazi, Reflections of Mythology in Fiction, Contents, Sarir Monthly, Karachi, Issue 1.2, June/July 2004, p: 108
5. Shakeel-ur-Rahman, Literary Values and Psychology, Masoom Publications, 1965, p. 27
6. Jameel Jalbi, Dr., History of Urdu Literature (Vol. III), Lahore, Majlis Targhee Udab, 2006, p. 467
7. Naseeruddin Hashmi, Urdu in the Deccan, National Council for the Promotion of Urdu Language, New Delhi, 1985, p. 165.
8. Gian Chand Jain, Prose Tales of Urdu, National Council for the Promotion of Urdu Language, New Delhi, 2020, p:44
9. Mumtaz Sharin, Megh Malhar, Lark Publishers, Karachi, 1962, p: 149